OPEN ACCESS
AL-EHSAN
ISSN: 2410-1834
www.alehsan.gcuf.edu.pk
PP: 51-75

بابا فریدِ گنج شکر علیہ الرحمۃ اور خواجہ غلام فرید علیہ الرحمۃ کے درمیان شخصی مماثلتیں

Personal Similarities of Baba Farid Ganj Shakkar and Khawaja Ghulam Farid

Sabah Javed

Ph.D Scholar, Department of Urdu, Lahore Garrison University, Lahore

Dr. Muhammad Iqbal

Assistant Professor, Department of Arabic, NUML University, Islamabad

Abstract

This paper covered the personal similarities of Baba Farid Ganj-e-Shukr and Khawja Ghulam Farid. The purpose of this research is to find out major things which are similar to them and their consequences into the society. The method used for the research is descriptive and qualitative. The review of literature revealed that the environment was almost same from where they got education and transferred it in same way. The study also found that the identities of these great personalities are different, but at some extent, there are similarities as we disclosed many similarities between them, such as similarity of names, genealogy, spiritual chain, the affiliation, the passion for tourism, the devotion of the heads of state to them, the masters of external and internal sciences and arts, and poetry in many languages, as well as the themes of their poetry are very similar. The genealogy of both of them also reaches the 2nd caliph, Umar Farooq. Both of them were also fond of travel and tourism.

Key Words: Baba Farid, Khawaja Ghulam Farid, Tasawwaf, Islamic Teachings, Personal, Similarities.

دینِ اسلام کے ساتھ جتنی عظیم، باصلاحیت، ذہین اور صاحبانِ علم و عمل شخصیات وابستہ رہی ہیں، ان کی مثال تاریخِ عالم کے دوسرے ادیان میں کہیں نہیں ملتی، بلاشبہ ان باکمال شخصیات کی شناخت جدا جدا ہے، لیکن کہیں کہیں ان کے ہاں مماثلت بھی پائی جاتی ہے، جیسے ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت بابا فرید گنج شکر اور حضرت خواجہ غلام فرید رحمۃ اللہ علیہما کی شخصیات ہیں، ان کے درمیان کافی چیزوں میں مماثلت پائی جاتی ہے، جیسے نام کی مماثلت سے لے کر نسب نامہ، سلسلہ چشتیہ سے وابستگی، سیر وسیاحت کا شوق، سربراہانِ مملکت کی ان سے عقیدت، ظاہری و باطنی علوم وفنون کے ماہر، اور کئی زبانوں میں شعر وشاعری کرنے کے ساتھ ساتھ ان کی شاعری کے موضوعات میں بھی انتہائی مماثلت کا پایا جانا ہے، جہاں خواجہ غلام فرید رحمۃ اللہ علیہ کا نام بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ کے نام پر غلام فرید رکھا گیا، وہاں دونوں کا نسب نامہ بھی حسنِ اتفاق سے خلیفہ دوئم جنابِ عمر فاروق رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے، دونوں بزرگ سلسلہ چشتیہ سے وابستہ اور اس کے عظیم مشائخ میں شمار ہوتے ہیں، دونوں ہستیوں کو سیر وسیاحت کا بھی شوق تھا، اور انہوں نے دور دراز بلاد وامصار کا سفر فرمایا تھا، اور وہاں کے علمی مراکز اور علماء و مشائخ سے ملاقاتیں کرتے رہے، دونوں بیک وقت اپنے دور کے سربراہانِ مملکت کے ہاں مقبول تھے، جو ان سے انتہائی عقیدت واحترام سے پیش آتے تھے، دونوں نے پہلے پوری طرح ظاہری علوم وفنون کی تکمیل کی پھر باطنی علم اور خلافت کی طرف متوجہ ہوئے، یہاں تک کہ تصوف کے امام بنے۔ اس پر مستزاد یہ کہ دونوں نے کئی زبانوں میں شعر وشاعری کی، یہاں تک کہ شعراء کثیر الالسنۃ مشہور ہوئے، اور سب سے بڑھ کر ان کی شاعری کے موضوعات آفاقی ہونے کے ساتھ ملتے جلتے ہیں۔

اس مقالے میں انہی وجوہِ مماثلت کو شواہد کی روشنی میں قدرے تفصیل سے بیان کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

مختصر تعارف

شیخ فرید الدین مسعود گنج شکر علیہ الرحمۃ کا شمار قرونِ وسطی کے مشائخ عظام میں ہوتا ہے، آپ کا دور بنی نوع انسان کی تاریخ میں بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ اجودھن (پاک پتن) میں ان کی خانقاہ کئی سالوں تک ہر فرقہ اور ہر قوم کے لوگوں کی زیارت گاہ بنی ہوئی ہے۔ بابا فرید علیہ الرحمۃ نے برصغیر پاک وہند کی تاریخ کے ایک قابلِ ذکر دور میں زندگی بسر کی ہے، انہوں نے پنجاب میں خاندانِ غزنویہ کا خاتمہ کیا، غوری فوجوں کے ہاتھوں راجپوتوں کی شکستِ فاش کا مشاہدہ کیا

، اور شمالی ہندوستان میں ترکوں کا تسلط ان کے سامنے ہوا۔ آگے چل کر انہوں نے دیکھا کہ مغل لشکر ہندوستان کا دروازہ کھٹکھٹا رہے ہیں اور ان کی ہر یلغار پر لوگ مارے ہیبت اور خوف کے سہمے جا رہے ہیں۔ وسطِ ایشیا سے مہاجرین کے قافلے کے قافلے آتے بھی انہوں نے دیکھے۔ دہلی کے شہر نے ان کی زندگی میں اہمیت اور رونق پائی۔ ان کی عمر ۳۰ سال کے قریب تھی، جب شہاب الدین غوری کو قتل کیا گیا، اور وہ ۹۰ سال کے تھے جب غیاث الدین بلبن تخت نشین ہوا۔ اس طرح ہندوستان کی سیاسی افراتفری اور بے چینی کے دوران میں ان کی زندگی کی کہانی ہندوستان کی روحانی تاریخ کا ایک نہایت اہم پہلو ہے۔ اس وقت جب کہ سارا ملک غوریوں کے اسلحہ کی جھنکار سے گونج رہا تھا۔ بابا فرید صاحب علیہ الرحمۃ اطمینان اور دل جمعی کے ساتھ پنجاب کے ایک دورافتادہ مقام میں بیٹھے محبت و شفقت کا درس دے رہے تھے۔ آج شہاب الدین کی تمام کامیابیاں زمانہءماضی کی کہانیاں بن کے رہ گئی ہیں، مگر بابا فرید صاحب علیہ الرحمۃ کا پیغام اب بھی زندہ ہے، اور لوگوں کے دلوں میں حرارت پیدا کرتا ہے۔ (۱)

جب کہ بابا فرید الدین گنج شکر علیہ الرحمۃ کے تقریباً چھ صدیاں بعد میں آنے والے خواجہ غلام فرید علیہ الرحمۃ (۱۳۱۹-۱۲۶۱ھ) بمطابق (۱۹۰۱-۱۸۴۳ء) نے بھی بہت شہرت پائی، آپ ایک انتہائی علمی خانوادے کے چشم و چراغ، جید عالم، باکمال صوفی اور عوامی شاعر تھے۔ خواجہ غلام فرید علیہ الرحمۃ کے والدِ محترم خواجہ خدا بخش علیہ الرحمۃ ایک صاحبِ بصیرت عالم اور پاکیزہ سیرت صوفی تھے۔ خواجہ غلام فرید علیہ الرحمۃ ابھی آٹھ سال کے تھے کہ آپ کے والد انتقال کر گئے، جب کہ والدہ پہلے ہی انتقال کر چکی تھیں۔ اس طرح آپ کی تعلیم و تربیت آپ کے بڑے بھائی خواجہ غلام فخر الدین علیہ الرحمۃ نے کی۔ جو خود ایک بلند پایہ عالم اور صاحبِ حال بزرگ تھے۔ خواجہ غلام فرید علیہ الرحمۃ نے آٹھ برس کی عمر میں قرآن کریم حفظ کر لیا۔ تیرہ سال کی عمر میں خواجہ غلام فخر الدین علیہ الرحمۃ کے ہاتھ پر بیعت کی اور آپ کی نگرانی میں تفسیر، حدیث، فقہ اور دوسرے متداول علوم میں دسترس حاصل کی اور پھر آپ کے ساتھ درس و تدریس میں مشغول ہو گئے۔ (۲)

۱۲۸۸ھ میں جب خواجہ غلام فخر الدین علیہ الرحمۃ نے انتقال فرمایا تو آپ مسندِ خلافت پر متمکن ہوئے۔ اس وقت آپ کی عمر ۲۸ برس سے متجاوز نہ تھی۔ (۳)

۱۔نام کی مماثلت

بابا فرید گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کی وفات ۱۲۶۵ء میں ہوئی، سلسلہ عالیہ چشتیہ کے عظیم بزرگوں میں سے تھے، ان کا تعلق ملتان کے علاقے اجودھن (پاک پتن) سے تھا، زمانہ طالب علمی میں ملتان شہر میں رہے، ملتان سے سو کلو میٹر کے فاصلے پر ریاست بہاولپور واقع ہے، جس میں تقریباً ۶ صدیاں بعد کوٹ مٹھن میں خواجہ بخش علیہ الرحمۃ (۱۲۶۹-۱۲۰۶ھ) کے صاحبزادے، خواجہ محمد عاقل علیہ الرحمۃ (۱۲۲۹-۱۱۴۹ھ) کے پوتے اور خواجہ فخر جہاں علیہ الرحمۃ (۱۲۳۴-۱۲۸۸ھ) کے برادرِ اصغر خواجہ غلام فرید علیہ الرحمۃ پیدا ہوئے، جیسے کہا گیا ہے کہ اچھے نام کا اثر انسان کی شخصیت پر ہوتا ہے تو خواجہ غلام فرید علیہ الرحمۃ کا یہ خوب صورت نام ان کے بزرگوں نے برصغیر پاک و ہند کے مشہور صوفی بزرگ بابا فرید گنج شکر علیہ الرحمۃ کے نام پر رکھا، اور جس طرح حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں آیا ہے، جنابِ ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

"إِنَّكُمْ تُدْعَوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِأَسْمَائِكُمْ وَأَسْمَاءِ آبَائِكُمْ فَحَسِّنُوا أَسْمَاءَكُمْ"[۴]،

تمہیں روزِ قیامت تمہارے اور تمہارے والدین کے ناموں سے پکارا جائے گا، لہذا اپنے خوب صورت نام رکھا کرو!

یہی وجہ ہے کہ اس نام کا اثر ان کی شخصیت پر بھی پڑا، اور کئی چیزوں میں دونوں بزرگوں میں انتہائی درجے کی مماثلت پائی گئی، سب سے بڑھ کر اس "فرید" نام کے معنی میں انفرادیت ہونے کی وجہ سے دونوں بہت بڑے ولی اللہ ثابت ہوئے۔

۲۔نسب نامہ

حسنِ اتفاق سے دونوں بزرگوں کا نسب نامہ بھی خلیفہء دوئم حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے، بابا فرید علیہ الرحمۃ کے نسب نامے کے حوالے سے تقریبا تمام مؤرخین نے اتفاق کیا کہ آپ کا شجرہ نسب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے، تاہم بعض تذکرہ نگاروں نے کم اور بعض نے زیادہ واسطوں سے آپ کا سلسلہ نسب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ تک ملایا ہے، چنانچہ اللہ دیا چشتی نے "سیر الاقطاب" میں مندرجہ ذیل نسب نامہ لکھا ہے:

> "حضرت فرید الدین شکر گنج مسعود قدس اللہ تعالی سرہ، بن شیخ سلیمان، بن شیخ شعیب، بن شیخ محمد احمد، بن شیخ یوسف، بن شیخ شہاب الدین المعروف بفرخ شاہ

کابل، بن نصیر فخر الدین محمود، بن سلیمان، بن شیخ مسعود، بن شیخ عبد اللہ واعظ الاصغر، بن واعظ الاکبر ابو الفتح، بن شیخ اسحاق، بن شیخ ناصر، بن شیخ عبد اللہ، بن امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ۔۔۔"(۵)

لہذا گنج شکر علیہ الرحمۃ کا فاروقی النسب ہونا خبرِ متواتر ہے۔ پروفیسر خلیق نظامی نے بھی اپنی انگریزی کتاب (۶)"The Life and Times of Shekh Faridudin Ganj-i-Shakar" میں ص ۱۲ پر اس روایت کو اتنا ثقہ قرار دیا ہے کہ جس میں کسی بحث کی گنجائش نہیں۔

اسی طرح خواجہ فرید علیہ الرحمۃ کے نسب کے متعلق دائرۃ المعارف (اردو) میں آیا ہے کہ: "خواجہ غلام فرید، بن خواجہ خدا بخش، بن قاضی محمد عاقل، بن مخدوم محمد شریف۔۔۔۔اس طرح آپ کا سلسلہ نسب حضرت عمر فاروقِ اعظم علیہ الرحمۃ سے جاملتا ہے۔"(۷)

ان کے خاندان کے ایک محقق خواجہ طاہر محمود کوریجہ کا کہنا ہے کہ ہمارا نسب نامہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالی عنہ تک پہنچتا ہے، جس کی تفصیل انہوں نے اپنی کتاب میں یوں بیان کی ہے: "خواجہ غلام فرید، بن خواجہ خدا بخش، بن خواجہ احمد علی، بن خواجہ قاضی محمد عاقل، بن محمد شریف، بن محمد یعقوب، بن نور محمد، بن محمد زکریا، بن شیخ حسین بن شیخ پریا ثالث بالخیر، بن حاجی احمد، بن شیخ نوننہ، بن شیخ حاجی احمد، بن شیخ صدر الدین، بن شیخ محمد یعقوب، بن شیخ فضل اللہ، بن شیخ پریا، بن شیخ طاہر محمود، بن شیخ دہماج، بن شیخ پنوں، بن شیخ کور، بن پریا، بن شیخ حسین، شیخ محمد، شیخ محمد محسن، بن شیخ موسی، بن شیخ زید، بن شیخ ناصر الدین، بن شیخ حسن، شیخ یوسف، بن شیخ عیسی، بن شیخ احمد، بن شیخ محمد، بن شیخ عبد اللہ، بن شیخ منصور، بن قاضی مالک، بن قاضی یحیی، بن شیخ محمد، بن شیخ سلمان، بن قاضی منصور، بن سالم (ناصر الدین)، بن عبد اللہ، بن عمر بن الخطاب-رضوان اللہ علیہم اجمعین۔(۸)

۳۔ سلسلہ چشتیہ(۹) سے وابستگی

سلسلہ چشتیہ کی تاریخ میں بابا فرید گنج شکر علیہ الرحمۃ اپنے نام کے معنی کی طرح ایک منفرد حیثیت کی مالک شخصیت دکھائی دیتے ہیں، وہ ایک بڑے صوفی بزرگ کے مرید، اور ان سے بھی بڑے ایک صوفی بزرگ کے مرشد تھے، حضرت خواجہ معین الدین چشتی علیہ الرحمۃ (۵۲۷-۶۳۳ھ) نے برصغیر میں چشتیہ سلسلہ کی بنیاد رکھی اور حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی علیہ الرحمۃ (۶۳۴-۵۳۷ھ) نے اسے دہلی کے گردونواح میں پھیلایا، مگر بابا صاحب علیہ الرحمۃ کی

کوششوں سے اسے استحکام حاصل ہوا، اور یہ دور دراز تک پھیل گیا، سچائی کی تلاش میں نہ صرف برصغیر بلکہ بیرونی ممالک سے بھی لوگ ان کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے، وہ واقعی شاہِ ملکِ سلوک تھے۔(۱۰)

اسی طرح خواجہ غلام فرید علیہ الرحمۃ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ برصغیر میں چشتیہ سلسلہ کے آخری بڑے صوفی شاعر ہیں۔ آپ کے جد اعلی مالک بن یحی عرب سے ترکِ وطن کر کے سندھ چلے آئے تھے۔ آپ کی نسل میں شیخ حسین خود سلسلہ سہروردیہ کے معروف صوفی بزرگ گزرے ہیں، لیکن خواجہ غلام فرید علیہ الرحمۃ کے جد امجد خواجہ قاضی محمد عاقل علیہ الرحمۃ نے سلسلہ چشتیہ کے اس وقت کے مشہور شیخ خواجہ نور محمد مہاروی علیہ الرحمۃ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔(۱۱)

۴۔ سربراہانِ مملکت کی ان سے عقیدت

یہ حقیقت ہے کہ جب سلسلہ چشتیہ کے مقتدر مشائخ نے اپنی زندگیوں میں بادشاہانِ وقت کو اپنی خانقاہوں سے دور رکھا اور ان کی مراعات و انعامات کو ہمیشہ ٹھکرایا، ان کی دعوتوں کو نظر انداز کیا، ان کی ملاقاتوں سے اجتناب کیا، ان کی قربتوں کو روح کی موت قرار دیا، تو پھر ایسے ہی بادشاہوں نے ان حضرات کے مزارات کی مٹی کو سرمۂ چشمِ عقیدت بنایا، ان کی خانقاہوں کے احاطوں میں آسودہ خاک ہونے کو سعادت جانا، ان کے مزارات پر بڑی بڑی شاندار عمارتیں تعمیر کیں، ان خانقاہوں پر آنے والوں کے آرام و آسائش کے لئے جاگیریں وقف کیں، ان پر حاضری کے لئے پیادہ پا چل کر آستان بوس ہوتے رہے۔ دلوں پر حکمرانی، اکڑی ہوئی گردنوں کو جھکانا، بگڑی ہوئی عادات کو سنوارنا، گم گشتہ راہ کو منزلِ مقصود کی راہنمائی کرنا، شیطان کے مکر و فریب میں جکڑے ہوئے لوگوں کی راہنمائی کرنا مشائخِ چشتیہ کا معمول رہا ہے۔

اسی طرح بابا فرید الدین گنج شکر علیہ الرحمۃ کی خدمتِ اقدس میں سلاطینِ زمانہ حاضری کو فخر خیال کیا کرتے تھے، سلطان غیاث الدین کو آپ سے بے حد عقیدت تھی۔ سلطان ناصر الدین ۱۲۶۶ء میں جب اوچ اور ملتان کی طرف گیا، تو اجودھن میں آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر فیض یاب ہوا، واپسی پر اس نے چار گاؤں کا فرمان اور نقد رقم آپ کی خدمت میں بھیجی، آپ نے گاؤں کا فرمان واپس کر دیا اور نقدی وصول کر کے درویشوں میں تقسیم کر دی۔(۱۲)

اسی طرح حضرت شیخ فرید الدین گنج شکر علیہ الرحمۃ اپنے مریدین کو نصیحت فرمایا کرتے تھے کہ: "لو اردتم بلوغ درجة الكبار فعليكم بعدم الالتفات إلى أبناء الملوك"، اگر روحانی منازل طے کرنا چاہتے ہو تو شہزادوں سے میل جول ختم کر دو۔[۱۳]

اسی طرح خواجہ غلام فرید علیہ الرحمۃ کے جد امجد حضرت خواجہ محمد عاقل علیہ الرحمۃ کی خدمت میں ایک دفعہ چند مواضعات پیش کئے تو انہوں نے فرمایا کہ: "ہمارے خواجگان نے کبھی ایسی چیز قبول نہیں کی، دوسرے یہ کہ جب ریاست اور زمینداری ہو گی، تومالگذاری وغیرہ امور پیش آئیں گے، اور کبھی نہ کبھی عدالت تک جانا پڑے گا۔ جب ان کاموں میں مصروف ہوئے تو پھر فقیری کہاں، اللہ تعالیٰ مسبب الاسباب ہے"۔[۱۴]

نواب قیصر خان مگسی خواجہ غلام فرید علیہ الرحمۃ کا عقیدت مند تھا، اور عرصہ سے ان کی خدمت میں دعوت کے لئے عرض کرتا چلا آرہا تھا۔ بالآخر آپ نے اس کی دعوت منظور کی اور جھل جانے کے لئے خانپور ریلوے سٹیشن پہنچ گئے، ٹکٹیں خریدی گئیں اور ٹرین کا انتظار شروع ہو گیا۔ اسی دوران نواب قیصر خان نے اپنے ایک مصاحب کو کہا کہ حضور جب غریب خانے پر قدم رنجہ فرمائیں گے تو میں ایک لاکھ روپیہ نذر گذار کروں گا۔ یہ بات حضور خواجہ صاحب کے کانوں تک پہنچ گئی تو اسی وقت اپنے خادمِ خاص کو طلب فرمایا اور اسے حکم دیا کہ ٹکٹیں واپس کر دو اور روانگی منسوخ کر دو۔ نواب قیصر خان کو اس منسوخی کا پتہ چلا تو دست بستہ عرض گذار ہوا کہ اس غلام سے کیا قصور ہوا ہے؟ آپ نے فرمایا! قیصر خان تمھارا کوئی قصور نہیں، پہلے یہ فقیر فی سبیل اللہ تیرے گھر جارہا تھا، مقصد دعا کرنا تھا، مگر اب ایک لاکھ روپیہ کا لالچ بھی شریکِ سفر ہو گیا اور فقیر اور لالچ کبھی ہم سفر نہیں ہو سکتے۔[۱۵]

اسی طرح جب آپ حضرت مخدوم گیسو دراز کی زیارت کے لئے گلبرگ گئے تو واپسی پر حیدر آباد دکن میں قیام فرمایا۔ وہاں کے امراء ورؤساء آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دعوت پیش کی، تو آپ نے فرمایا: "فقیر شاہی محلات میں جانے کا عادی نہیں"، یہ کہا اور پھر فوراً رختِ سفر باندھ لیا۔

نواب صادق محمد خان عباسی کی وارفتگی اور عقیدت تو عشق کی حد تک پہنچی ہوئی تھی، سال میں عموماً دو مرتبہ چاچڑاں حاضر ہوتے اور قدمبوسی کی سعادت حاصل کرتے، اور اس خیال سے کہ ان کے عملہ کی وجہ سے "حضرت" کو تکلیف نہ ہو، چاچڑاں سے آٹھ، نو میل دور ایک جگہ

"حجرہ عباسیاں" میں رہائش پذیر ہوتے اور روزانہ فٹن پر سوار ہو کر آپ کی خدمت میں چاچڑاں جاتے۔ (۱۶)

۵۔ سیر و سیاحت کا شوق

ازمنہ وسطیٰ میں سیر و سیاحت صوفیانہ ضابطے کا ایک اہم حصہ تھا، اس کے کئی فائدے تھے، اول تو یہ کہ اس کے ذریعہ ایک صوفی کو ایسے لوگوں سے ملنے جلنے کے موقعے ملتے تھے، جن کے مزاج مختلف ہوتے تھے اور مختلف حالات کے ماتحت زندگی بسر کرتے تھے۔ صوفی انسانی فطرت کا گہرا علم حاصل کرتا تھا، اور جب وہ بنی نوع انسان کو صراطِ مستقیم پر چلانے کے لئے ایک مستقل مقام پر سکونت پذیر ہو جاتا تھا، تو یہ علم اس معاملہ میں اس کی بڑی مدد کرتا تھا۔ دوسرے یہ کہ جب صوفی اپنا وطن ترک کر کے سیر و سیاحت کے لئے روانہ ہوتا تھا تو تمام وہ تعلقات جو انسان کو ایک علاقہ کے ساتھ مختص کر دیتے ہیں اور جن کی وجہ سے اس کی ہمدردیاں اور نقطہء نظر محدود ہو جاتا ہے خود بخود ٹوٹ جاتے ہیں۔

مولانا عزیز الدین محمود بن علی کاشانی علیہ الرحمۃ نے صوفیہ کرام کی سیر و سیاحت کے بارے میں تفصیل سے وہ فوائد بیان کئے ہیں جو اس سے حاصل ہوتے ہیں، سلسلہ چشتیہ کے بزرگ، شیوخ، شیخ عثمان ہروانی، شیخ معین الدین چشتی اور شیخ قطب الدین نے طویل سیر و سیاحت کی تھی۔ حضرت بابا فرید علیہ الرحمۃ کے وضعی ملفوظات میں بھی یہ دکھایا گیا ہے کہ انہوں نے اسلامی عجم کا سفر اختیار کیا تھا، جن میں بغداد، بخارا، سیوستان، بدخشان، کرمان، قندھار اور غزنی کی سیر تھی، اور شیخ شہاب الدین سہروردی علیہ الرحمۃ، خواجہ عاجل شیرازی علیہ الرحمۃ، شیخ سیف الدین بخاری علیہ الرحمۃ، شیخ احمد الدین کرمانی علیہ الرحمۃ اور کئی دوسرے شیوخ سے ملے تھے، جہاں تک ہندوستان کا تعلق ہے وہ کشمیر، مالوہ اور اجمیر شریف گئے تھے۔ (۱۷)

تاہم ان اسفار کے بارے میں اختلاف بھی پایا جاتا ہے اور اس پر اختلاف کرنے والوں کے پاس دلائل بھی موجود ہیں، لیکن علم کی تکمیل کے لئے قندھار (افغانستان) جانا، اپنے مرشد حضرت خواجہ بختیار کاکی علیہ الرحمۃ سے اکتسابِ فیض کے لئے دہلی کا سفر کرنا، اور شیخِ سلسلہ چشتیہ کے دربار پر حاضری کے لئے اجمیر شریف جانا بہت ہی قرینِ قیاس لگتا ہے۔ (۱۸)

اسی طرح خواجہ غلام فرید علیہ الرحمۃ کو بھی مناظرِ فطرت سے لگاؤ تھا۔ اسی کی وجہ سے آپ نے سفر بھی بہت کئے اور مختلف علاقوں کی خصوصیات کا بھی مطالعہ کیا۔ ان سفروں کے دوران

آپ نے بے شمار اصحابِ علم و فضل کے علاوہ، سر سید احمد خان، مولوی نذیر احمد محدث دہلوی، مولوی عبد الحیی صاحب، میاں محمود صاحب احمد پوری اور شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب سے بھی ملاقاتیں کیں۔ آپ فرماتے ہیں:

"سید احمد خان نہایت ہی اچھے انسان تھے، ان کے چہرے سے برکت ٹپکتی تھی، ان کا اسلام کے کسی فرقے سے اختلاف نہیں تھا، اور ہر فرقے کو اچھا کہتے تھے۔ ان کے والد شاہ ابو سعید دہلوی کے مرید و خلیفہ تھے۔ وہ مرزا مظہر جان جاناں کے مرید و خلیفہ تھے۔ میں نے ملاقات کے دوران سید احمد خان سے پوچھا کہ آپ نے بھی کسی بزرگ کے ساتھ بیعت کی ہے، انہوں نے جواب دیا کہ میں نے کسی شخص کے ساتھ بیعت نہیں کی، اگر کسی سے کی ہے تو ان کے ساتھ کی ہے (یعنی شاہ ابو سعید کے ساتھ)، جن کی شکل و صورت فراموش نہیں ہو سکتی، پھر آپ نے فرمایا! کہ جب میں نے ان (سید احمد خان) سے ملاقات کی تو انہوں نے مجھے کرسی پر بٹھایا، خود بھی کرسی پر بیٹھ گئے، اس اثناء میں رسول اللہ ﷺ کا ذکرِ خیر اور اصحابِ کرام کی محبت کا تذکرہ ہوا تو بات کرتے ہوئے وہ رونے لگ گئے اور آنکھوں سے اس قدر آنسو جاری ہوئے کہ داڑھی تر ہو گئی اور قطرے نیچے ٹپکنے لگ گئے۔ وہ کمال شوق اور جوش سے اپنے پاؤں زمین پر اس طرح مارتے تھے، جیسے کوئی رقص کے وقت مارتا ہے۔ رسولِ خدا ﷺ کی محبت ان کی رگ رگ میں سرایت کر چکی تھی۔"(۱۹)

مولوی نذیر حسین محدث دہلوی کے بارے فرمایا!

"سبحان اللہ وہ تو ایک صحابی معلوم ہوتے تھے، کسی شخص کی عظمت کے لئے یہی دلیل کافی ہے کہ دنیا میں اس جیسا کوئی نہ ہو، چنانچہ آج کل کے زمانے میں علمِ حدیث میں ان کا کوئی ثانی نہیں، پھر وہ اس قدر بے نفس ہیں کہ اہلِ اسلام کے کسی فرقے کو برا نہیں کہتے۔۔۔۔"(۲۰)

خواجہ صاحب لکھنؤ بھی تشریف لے گئے، وہاں علم و ادب اور شعر و شاعری کا چرچا ان دنوں عروج پر تھا، آپ کچھ عرصہ وہاں مقیم رہے اور وہاں کے مشاہیر علم و ادب سے بھی ملاقاتیں کیں۔ ان کا کہنا ہے:

"میں نے مولوی عبد الحیی کو دیکھا ہے، جب ہم لکھنؤ گئے تو دل میں خیال آیا کہ مولوی عبد الحیی کو، جو بڑے متبحر عالم تھے، دیکھنا چاہئے، جب ہم محلہ فرنگی محل پہنچے تو دیکھا وہ اپنے مکان میں سوئے ہوئے ہیں، ہم نے ان کو بیدار کرنا مناسب نہ سمجھا اور اسی طرح دیکھ کے واپس آگئے۔ تیس چالیس کی عمر کے جوان آدمی معلوم ہوتے تھے۔ داڑھی سیاہ تھی اور کوتاہ قد تھے۔"(۲۱)

بعد میں ایک سوال کے جواب میں آپ نے فرمایا کہ:

"مولوی عبد الحیی صاحب متبحر عالم اور فاضل جلیل تھے، اور تمام علوم میں خواہ صرف ہو یا نحو ہو، بدیع ہو یا بیان، منطق ہو یا معقول، تفسیر ہو یا حدیث، ماہر تھے۔"(۲۲)

آپ نے متعدد بار میاں محمود صاحب احمد آبادی علیہ الرحمۃ سے بھی ملاقات کی، جو عمر رسیدہ ولی کامل تھے، اور خواجہ کمال الدین علامہ صاحب کی اولاد میں سے تھے۔

آپ سات مرتبہ اجمیر شریف گئے اور حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری کی درگاہ میں حاضری دی۔(۲۳)

ہندوستان میں سلسلہ چشتیہ حضرت اجمیری علیہ الرحمۃ کی وجہ سے رائج ہوا، بلکہ دیگر سلاسل کے شیوخ نے بھی سلسلہ چشتیہ کو ہندوستان کا روحانی حکمران تسلیم کیا۔ حضرتِ اجمیری! صوفیائے چشت کے راہنمائے اعلی اور تمام صوفیوں کے مرکزِ عقیدت، تو خواجہ صاحب نے متعدد بار سفر اجمیر اختیار کیا اور وہاں رہ کر فیوض و برکات سے مستفیض ہوئے، دلی گئے، حضرت نظام الدین اولیاء علیہ الرحمۃ کی خدمت میں حاضری دی۔ حضرت قطب الدین بختیار کاکی سے روحانی فیض حاصل کیا۔ پاک پتن جاکر حضرت فرید الدین شکر گنج علیہ الرحمۃ کے مزار کی زیارت کی، ملتان جاکر بزرگان کے مزارات کی زیارت کی اور لاہور حضرت داتا گنج بخش علیہ الرحمۃ کے دربار کی زیارت سے مشرف ہوئے۔(۲۴)

آپ علیہ الرحمۃ کا سب سے مقدس سفر دیارِ حرم کا تھا، جس میں سولوگوں کا قافلہ آپ کے تھا، آپ راستے میں آنے والے شہروں میں اتر اتر کر بزرگان کے مزارارت کی زیارت کرتے گئے، چاچڑاں سے ملتان (بزرگانِ سہروردیہ وچشتیہ کے مزارارت کی زیارت)، پھر لاہور گئے (حضرت داتا گنج بخش وحضرت میاں میر کے مزارات پر حاضری)، پھر دلی پہنچے (حضرت نظام الدین

اولیاء علیہ الرحمۃ و حضرت قطب الدین بختیار کاکی کی آغوشِ رحمت میں پناہ)، پھر جے پور اور اجمیر شریف تشریف لے گئے (جہاں آپ کی دستار بندی کی گئی)، وہاں سے بمبئی، جہاں سے بحری جہاز پر سوار ہو کر جدہ پہنچے۔ جوں ہی عرب کی سر زمین پر قدم رکھا، تو ان پر وجد و عرفان کی کیفیت طاری ہوئی، اس وقت آپ نے یہ اشعار کہے:

جیندیں عرب شریف ڈٹھوسے　　لہندیں سکدیں ناں مر گیوسے
سوہنے سانول یاد کتوسے　　ہار سنگار سہاندے ہن
صدقے ، صدقے واری واری　　اولے، گھولے لکھ لکھ واری
سر قربان تے جان نثاری　　ملک مٹھے متراں دے ہن[25]

دیس عرب دا　　ملک طرب دا
سارا باغ　　بہار -----[26]

واہ دیس عرب دیاں چالیں　　خوش طرحیں، خوش خصالیں
گیاں وسر وطن دیاں گالھیں　　کیا خویش قبیلے، سکے[27]

تھیواں صدقے، صدقے　　آیا شہر مدینہ
سکھ دی سیج سہایم　　گیا دکھ دیرینہ
حرم معلی روشن،　　ہے نوری آئینہ
عرب دی ساری دھرتی،　　سوہنی صاف نگینہ[28]

۶۔ ظاہری و باطنی علوم و فنون کے ماہر

ویسے تو دونوں بزرگوں کے علوم و فنون کے حوالے سے لکھا جا سکتا ہے لیکن یہاں چند ایک اقوال اور واقعات پر اکتفاء کیا جائے گا، بابا فرید گنجِ شکر علیہ الرحمۃ کو ان کی علمیت و فضیلت کی بناء پر ہی شیخ الاسلام اور شیخ کبیر کہا جاتا ہے، بابا فرید علیہ الرحمۃ صحیح معنوں میں صاحبِ شریعت و طریقت تھے، آپ نے جملہ ظاہری علوم پر عبور حاصل کیا اور ساتھ ساتھ روحانی منزلیں بھی طے کرتے رہے اور دونوں حوالے سے عملی نمونہ پیش کیا۔ آپ علم کا بحر بیکراں تھے اور علم و فضل میں

وحیدِ عصر مانے گئے۔ اس حوالے سے دہلی کے دو مشہور علماء بدرالدین اسحاق[۲۹]، افصح الدین[۳۰] اور مولانا ضیاءالدین[۳۱] کے واقعات واضح کرتے ہیں کہ آپ سے مناظرے کی نظر سے آنے والے آپ کے علم و اخلاق سے اتنے متاثر ہوئے کہ آپ کے دامنِ کرم سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے وابستہ ہو گئے۔

اسی طرح خواجہ نظام الدین اولیاء علیہ الرحمۃ، جنہوں نے اپنے استاد سے بحاث و محفل شکن جیسے مقتدر خطابات حاصل کئے تھے۔[۳۲]

انہوں نے جب بابا فرید علیہ الرحمۃ کے علم و فضل اور شخصیت کے بارے میں سنا، تو نادیدہ عاشق بن گئے اور سفر کی صعوبتیں برداشت کرکے بابا فرید علیہ الرحمۃ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ایسے وابستہ ہو گئے کہ آپ کے جانشین اور سلطان المشائخ کہلائے اور سلسلہ چشتیہ کے ناقابلِ شکست ستون ثابت ہوئے۔[۳۳]

اجودھن کے قاضی نے جب بابا فرید علیہ الرحمۃ کے خلاف ملتان کے علماء سے فتوی لینا چاہا تو انہوں نے نام پوچھا، جب انہیں آپ کے نام کا علم ہوا تو یہ کہہ کر معذوری ظاہر کی کہ تم نے ایسے درویش کا نام لیا ہے کہ مجتہد انِ وقت کو بھی یہ طاقت نہیں کہ ان کے قول و فعل پر اعتراض کر سکیں۔[۳۴]

گویا جملہ ظاہری و باطنی علوم پر عبور ہونے کے باوجود، بابا فرید علیہ الرحمۃ نے کبھی اپنی علمیت کا رعب دوسروں پر نہیں جھاڑا، بلکہ ٹھہر ٹھہر کر، اور بعض اوقات دہرا دہرا کر میٹھی اور رسیلی آواز اور لہجے میں قرآن، حدیث، تصوف اور اسلامی قوانین وغیرہ کے انتہائی پیچیدہ مسائل اس طرح بیان کرتے تھے کہ نہ صرف سننے والوں کے علم میں اضافہ ہوتا بلکہ اصلاح نفس بھی ہوتی تھی۔ دوسروں سے ان کے علم کے مطابق اور حسبِ حال گفتگو فرماتے، مولانا ضیاءالدین کا واقعہ اس کی بہترین مثال ہے۔[۳۵]

بابا فرید علیہ الرحمۃ انکسارِ علمیت کی صفت سے موصوف تھے، آپ علم و عمل کے قائل تھے، آپ محض بحث و مباحثہ اور دوسروں پر فضیلت جتانے کے لئے علم حاصل کرنے کے حق میں نہ تھے۔ آپ فرماتے تھے کہ اگر تحصیلِ علوم، جدل و بحث کے لئے ہے تو اس تحصیل کو سلام ہے، اس نیت سے علم پڑھنا اور خلق کو ایذا پہنچانا ہرگز جائز نہیں، اور اگر عمل کے لئے ہے تو اسی قدر کافی ہے کہ پڑھتے اور عمل کرتے ہیں۔[۳۶]

خواجہ غلام فرید علیہ الرحمۃ کو بھی مختلف علوم و فنون پر کامل دسترس حاصل تھی۔ علم الحدیث، فلسفہ، فقہ، تاریخ، سوانح، تصوف، معرفت، شاعری، شاعری، موسیقی، علم النجوم، جفر، رمل، علم الانساب، غرضیکہ وہ بحر العلوم تھے، معلومات کا ایسا سمندر تھے جس میں جب بھی مدوجذر پیدا ہوتا، معلومات و حقائق کے بے شمار موتی باہر نکل آتے اور سننے والے حیران رہ جاتے، علم و فضل کی زیبائی فکر و خیال کی رعنائی اور معرفت و حقیقت کی دل آرائی میں ان کا کوئی ہمسر نہ تھا۔(۳۷)

خواجہ غلام فرید علیہ الرحمۃ کی شخصیت بڑی پروقار، جاذبِ نظر اور بارعب تھی۔ آپ علمی تحقیق اور جستجو کے بہت دلدادہ تھے۔ تاریخ اور تصوف کے مسائل کو نہایت محققانہ نظر سے پرکھتے تھے۔ رسالہ فوائدِ فریدیہ، ملفوظات مقابیس المجالس، مناقبِ فریدی اور ارشادات فریدی سے آپ کی علمی بصیرت کا پتہ چلتا ہے۔ آپ احکاماتِ شریعت کی سختی سے پابندی کیا کرتے تھے۔ غیر اسلامی رسوم کے شدید مخالف تھے۔ سلاسل و طرق میں شیخ اکبر محی الدین ابنِ عربی علیہ الرحمۃ اور سلسلہ چشتیہ سے وابستہ تھے۔ فراخ دل، نفاست پسند اور نہایت خوش ذوق تھے۔(۳۸)

یہی وجہ ہے کہ ان کے علم و فضل سے متاثر ہو کر ان کے اپنے مرشد حضرت فخر جہاں علیہ الرحمۃ کو یہ کہنا پڑا: "اگر روزِ قیامت، پروردگارِ عالم مجھ سے پوچھے گا کہ کیا تحفہ لائے ہو تو میں "فرید" کو پیش کر دوں گا"۔(۳۹)

خاتمِ سلیمانی کے مصنف نے خواجہ فرید علیہ الرحمۃ کے حوالے سے لکھا ہے کہ: "خواجہ غلام فرید چشتی علیہ الرحمۃ چاچڑاں شریف والے بڑے ولی کامل گذرے ہیں، ہمیشہ عشقِ الٰہی میں محو رہتے تھے"۔(۴۰)

اسی طرح خواجہ فرید علیہ الرحمۃ کے بارے میں پروفیسر خلیق احمد نظامی اپنی کتاب "تاریخ مشائخِ چشت" میں رقمطراز ہیں کہ: "خلافت کے معاملے میں وہ نہایت سخت گیر تھے، آپ نے صرف ان لوگوں کو خلافت دی جو عوارف کے اصولوں پر عامل تھے"۔(۴۱)

۷۔ کثیر الالسنہ شاعر

بابا فرید الدین گنجِ شکر علیہ الرحمۃ اس میدان میں بھی فرد فرید ہیں، آپ پہلے صوفی شاعر ہیں جنہوں نے شاعری کو بھی اپنی تعلیمات کا ذریعہ بنایا، بے شمار ناخواندہ لوگ ایسے گذرے ہیں اور اب بھی ہیں، جنہیں ناخواندہ ہونے کے باوجود بابا فرید علیہ الرحمۃ کے دوہے زبانی یاد ہیں، جن میں

ان کی تعلیمات پوشیدہ ہیں، آپ پنجاب کے سلسلہ چشتیہ کے امامِ اول ہونے کے ساتھ ساتھ برصغیر پاک وہند کی صوفیانہ اور عارفانہ شاعری کے بھی امامِ اول ہیں۔

عصرِ حاضر کے مشہور محقق پروفیسر ڈاکٹر ظہور احمد اظہر کا کہنا ہے کہ:

"وہ براعظم پاک وہند میں صوفیانہ وعارفانہ شاعری کے بھی امامِ اولیں ہیں، ان سے پہلے براعظم پاک وہند کی کسی اسلامی زبان میں ایسی عارفانہ شاعری کا ذکر تک نہیں ملتا۔ اسی طرح وہ ہماری صوفیانہ وعارفانہ شاعری کے بھی علی الاطلاق امامِ اول ہیں۔"(۴۲)

بابا فرید علیہ الرحمۃ کو یہ انفرادیت بھی حاصل ہے کہ وہ پنجابی زبان کے سب سے پہلے صاحبِ دیوان شاعر ہیں۔ پنجابی کے علاوہ بابا فرید علیہ الرحمۃ نے عربی فارسی، اردو/ ہندی میں بھی شاعری کی، اس طرح انہیں شاعرِ ہفت زبان بھی کہہ سکتے ہیں۔ بابا فرید علیہ الرحمۃ کا عربی کلام دستیاب نہیں، لیکن بابا فرید علیہ الرحمۃ عربی ادب میں گہری دلچسپی رکھتے تھے۔(۴۳)اور عربی زبان پر بھی ان کو مکمل عبور حاصل تھا۔(۴۴)

بابا فرید علیہ الرحمۃ کو فارسی زبان سے بھی لگاؤ تھا، انہیں فارسی پر مکمل عبور حاصل تھا۔ بقول صاحبِ انوارالفرید سید مسلم نظامی: "بابا فرید علیہ الرحمۃ کی مادری زبان فارسی تھی۔(۴۵) یہی وجہ ہے کہ متعدد تذکرہ نگاروں نے بابا فرید علیہ الرحمۃ سے منسوب فارسی کے اشعار بھی نقل کئے ہیں، جن میں "سیر الاولیاء" جیسی مستند کتاب میں بھی فارسی اشعار درج ہیں۔ جیسے:

ہر کہ در بند نام و آوازہ است

خانہ او بروں دروازہ است(۴۶)

(جو شخص نام وشہرت کی فکر میں ہے، اس کا گھر دروازہ سے باہر ہے۔)

اسی لئے ڈاکٹر ظہور احمد اظہر کا کہنا ہے کہ: "یہ اشعار قابلِ اعتماد اہلِ علم نے نقل کئے ہیں، اس لئے بلاشبہ انہی کا کلام ہے اور انہیں فارسی کا منجھا ہوا شاعر ثابت کرتے ہیں۔ اس فارسی کلام سے جہاں بابا فرید سائیں ایک پختہ فکر اور قادر الکلام ثابت ہوتے ہیں، وہاں فارسی میں شاعری سے ان کی وابستگی بھی ثابت ہوتی ہے، اور وہ ایک پر مغز شعر کہنے والے "پرگو" فارسی شاعر بھی ظاہر ہوتے ہیں، اس لئے یہ کہنا قرینِ قیاس ہو گا کہ ان کا فارسی کلام ان دستیاب اشعار اور رباعیات سے کہیں زیادہ ہو سکتا ہے جو دست برد زمانہ کی نذر ہو گیا ہو گا۔(۴۷)

محققین کے نزدیک بابا فرید علیہ الرحمۃ اردو زبان کے بانیوں میں سے ہیں۔ بابا فرید علیہ الرحمۃ کی خانقاہ میں ہر زبان و نسل سے متعلق لوگ آتے تھے۔ ہندو، سکھ سب ہی مسلمانوں کے ساتھ مل بیٹھ کر مختلف معاملات پر تبادلہ خیال کیا کرتے تھے۔ بابا فرید علیہ الرحمۃ بذاتِ خود اپنی بات سمجھانے کے لئے عوام الناس سے انہی کی زبان میں گفتگو فرماتے تھے۔ اجودھن کے باشندے اجڈ اور ان پڑھ تھے۔ ان کی تربیت کے لئے عام فہم اور آسان زبان میں تعلیم و تربیت کرنے کا مقصد یہ تھا کہ وہ بات سمجھ پائیں۔ اس مقصد کے لئے بابا فرید علیہ الرحمۃ ہندوی جو کہ اردو زبان کی قدیم ترین شکل ہے۔ میں باتیں کرتے تھے۔ اس کے علاوہ مقامی زبان میں بھی بات کرتے۔ سیر الاولیاء جیسی مستند کتابوں میں اس کی مثالیں کثرت سے موجود ہیں۔[۴۸]

الغرض یہ حقیقت ہے کہ بابا فرید علیہ الرحمۃ عام شاعر نہیں تھے، بلکہ صوفی شاعر تھے۔ وہ ہر انسان سے اس کی قابلیت اور فہم کے مطابق بات کرتے اور انہوں نے تبلیغِ دین کے لئے ان لوگوں کے ماحول کے مطابق زبان استعمال کی۔ صوفیہ کرام نے اپنے پیغام شاعری کی صورت میں بھی لوگوں تک پہنچایا ہے۔ بابا فرید علیہ الرحمۃ کے ہم عصر لال شہباز قلندر علیہ الرحمۃ اور عراقی عظیم شاعر تھے۔ جلال الدین رومی علیہ الرحمۃ بھی اسی دور سے تعلق رکھتے تھے۔ شاعری کے ذریعے وسیع مفہوم چند الفاظ میں سما جاتا ہے۔ اور یاد کرنے میں بھی سہولت ہوتی ہے۔ اتنی بے شمار مثالیں موجود ہیں کہ ایک ناخواندہ اور ان پڑھ انسان بھی دوہے، ماہیے وغیرہ زبانی یاد رکھتا ہے اور سمجھتا بھی ہے۔ اگر صوفیہ نے اصلاح و نصیحت کی خاطر شاعری کا سہارا لیا ہے تو کوئی تعجب کی بات نہیں، انسانی فطرت کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے تبلیغِ دین اور اصلاح کے لئے ایسا کرنا یعنی انسانی فطرت کو پیشِ نظر رکھنا قانونِ قدرت بھی ہے۔

بابا فرید علیہ الرحمۃ نے شاعری کی، اور فارسی، عربی، اردو، پنجابی میں شاعری کی، یعنی وہ کثیر الالسنہ شاعر تھے۔ یہ الگ بات ہے کہ ان کا کلام محفوظ نہیں ہو سکا، اور ان کا پنجابی کلام گرونانک کی گرنتھ میں محفوظ ہو گیا۔[۴۹]

اسی طرح خواجہ غلام فرید علیہ الرحمۃ جنوبی پنجاب کے عظیم شاعر تھے۔ آپ بہت سے زبانوں کے ماہر تھے، عربی، فارسی، اردو، ہندی، سرائیکی، سیدھی اور پورفی زبانوں میں لکھ پڑھ سکتے تھے، ان کی ہفت زبانی کا ثبوت ان کے کلام سے بھی ملتا ہے۔ جس میں انہوں نے ان زبانوں کے الفاظ بلا تکلف استعمال کئے ہیں، بلکہ ان زبانوں میں شعر کہہ کر اپنی قابلیت کے جوہر دکھائے

ہیں۔[۵۰] خاص طور پر سرائیکی زبان میں ان کا کلام جو ۲۷۲ کافیوں پر مشتمل ہے، اپنی شعری خوبیوں کی وجہ سے سرائیکی زبان وادب میں تقدس کا درجہ رکھتا ہے۔[۵۱]

آپ نے اس زبان کو عربی (ام الالسنہ) کے حسین امتزاج سے چار چاند لگا دیئے ہیں، خواجہ صاحب علیہ الرحمۃ کا دیوان ہی آپ کے مقامِ تصوف، علم وادب اور فنِ شاعری پر شاہد عدل ہے۔ محققین نے خواجہ صاحب کی اردو شاعری پر بھی مقالات لکھے ہیں۔ انسان دوستی کے جذبات کی عکاسی کی بدولت خواجہ صاحب علیہ الرحمۃ کے کلام کو آفاقیت حاصل ہو گئی ہے۔ اس روحانی پیشوا نے اپنے کلام کے ذریعے اسلامی اخلاقیات کی بے حد خدمت کی ہے۔ آپ کے خلوص اور محبت کی وجہ سے آپ کا کلام ہر کہ و مہ، پڑھے لکھے اور ان پڑھ کی زبان پر بے ساختہ جاری ہو جاتا ہے۔ حضرت خواجہ فرید علیہ الرحمۃ نے اپنے کلام میں قرآنی آیات، تراکیبِ احادیثِ نبویہ، عربی محاورات اور استعارات کا جابجا استعمال بڑے عمدہ اور ماہرانہ انداز میں کیا ہے۔[۵۲]

حضرت خواجہ فرید علیہ الرحمۃ فطری شاعر تھے۔ آپ پر اشعار کی آمد ہوتی اور خیالات و احساسات خود بخود الفاظ میں ڈھلتے چلے جاتے۔ بقول پروفیسر دلشاد کلانچوی علیہ الرحمۃ:

> "خواجہ صاحب علیہ الرحمۃ عموماً حالتِ وجد میں اشعار کہتے تھے۔ یعنی جب حال وارد ہوتا تو کچھ لکھتے ورنہ نہیں۔ ہر وقت فکرِ سخن میں محو رہنا ان کا معمول نہ تھا۔ لکھنے پر آتے تو الہام کی کیفیت ہوتی۔"[۵۳]

اگر ہم سرائیکی زبان میں خواجہ غلام فرید علیہ الرحمۃ کے مقام کا تعین کرنا چاہیں تو ہم بلا خوف و تردد یہ کہہ سکتے ہیں کہ خواجہ صاحب علیہ الرحمۃ کو سرائیکی زبان میں وہی مقام حاصل ہے جو اردو شاعری میں میر اور اقبال کو حاصل ہے۔ جس طرح اردو شاعری میں آج تک ان کے پائے کا کوئی دوسرا شاعر پیدا نہیں ہو سکا، اسی طرح سرائیکی میں کوئی شاعر خواجہ فرید علیہ الرحمۃ کے مقام تک نہیں پہنچ سکا۔ آپ کی شاعری سے سرائیکی ادب و شعر نئے شعور سے آشنا ہوا۔ آپ نے سرائیکی شاعری میں جس روایت کو قائم کیا، اس سے پہلے سرائیکی شاعری میں یہ روایت کہیں نظر نہیں آتی۔ آپ نے سرائیکی ادب کو زندگی و شگفتگی اور قوت و توانائی بخشی۔[۵۴]

خاور جسکانی کہتے ہیں:

> "خواجہ فرید علیہ الرحمۃ کی شاعری دنیا کے عظیم رومانی ادب میں ہو سکتی ہے۔ مشہور رومانی شعراء: "ورڈزورتھ"، "شیلے"، "کیٹس"، "کولرج"، "جیمز

ٹامس"، اور فرانسیسی شاعر "بودلئیر" کی طرح "فرید" کی شاعری بھی ان کی اضطراری روح اور ان کے جذبہ تجسس کا اظہار ہے۔"(۵۵)

اسی طرح آپ نے صرف سرائیکی میں شاعری نہیں کی، بلکہ کئی زبانوں میں طبع آزمائی کی ہے، عربی فارسی تو ان کے کلام میں بہت ہے، ایسے ہی یہ رباعی مختلف زبانوں پر ان کی دسترس کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ جس کا پہلا مصرعہ عربی میں، دوسرا فارسی میں، اور آخری اردو میں ہے:

اصل الاصول شھدتہ، ہمہ سو بسو، ہمہ کو بکو

چہ شہود عین بعینہ نہیں فرصت اتنی کہ دم بھروں(56)

لندن یونیورسٹی کا پروفیسر کرسٹوفر شیکل، سرائیکی زبان پر تحقیق کرنے آیا اور خواجہ صاحب کے کلام کی گرفت میں آ گیا۔ اس نے خواجہ صاحب علیہ الرحمۃ کے کلام کا انگریزی میں ترجمہ کیا، شائع کیا اور لندن یونیورسٹی میں سرائیکی و سندھی پر ہونے والے کام کی ایک لمبے عرصے تک نگرانی کرتا رہا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ:

"خواجہ صاحب علیہ الرحمۃ سے زیادہ خوب صورت صوفیانہ شاعری اور کسی مقامی شاعر کو نصیب نہیں ہوئی۔ اس کے علاوہ ان کی شاعری کا صوفیانہ تصور تنقید سے بالاتر ہے، کیونکہ انہوں نے اصل مقام یعنی مقام فنا کو پالیا تھا۔"(۵۷)

خواجہ غلام فرید علیہ الرحمۃ کے اس مختصر سوانحی خاکے سے دیکھا جا سکتا ہے کہ وہ ایک غیر معمولی شخصیت کے مالک تھے۔ وہ مضبوط عقیدے کے حامل مسلمان، وسیع ذہنی دلچسپیوں کے ساتھ ایک عالم، حقیقی وقار کی حامل ایک معزز روحانی شخصیت اور نایاب ترین خصوصیات کے مالک ایک صوفی تھے، ان تمام خصوصیات کو ان کی خوبصورتی سے رومانی اثر پذیری اور زبان سے کام لینے کی سحر انگیز مہارت میں جمع کریں، تو پھر ان کی متنوع اور نہایت عمدہ شاعری سے واقفیت حاصل کی جا سکتی ہے۔

۸۔ شاعری کے موضوعات

بابا فرید علیہ الرحمۃ اس خطے کے سب سے پہلے صوفی شاعر ہیں، ان کی شاعری میں صوفیانہ عقائد ہیں۔ ان کے مخاطب عموماً عوام الناس تھے، اس لئے عام فہم زبان میں تصوف کے

لطیف اور باریک تصورات بیان کئے گئے ہیں، انہوں نے دیہاتی روزمرہ زندگی سے استعارے اور تشبیہات لئے، ان کے اشعار میں سماجی علامتوں اور پنجاب کے دیہاتی ماحول اور اردگرد کی اشیاء کا حوالہ ملتا ہے(۵۸)

بابا فرید علیہ الرحمۃ صاحبِ شریعت و طریقت تھے۔ ان کی شاعری میں شریعت و طریقت دونوں پہلو پائے جاتے ہیں، ایک طرف وہ عبادات، نماز وغیرہ کی طرف زور دیتے ہیں، تو دوسری طرف عشقِ الٰہی، وصل الی اللہ اور دنیا کی عدمِ ثباتی کا تذکرہ بار بار ملتا ہے۔

وہ خدمتِ خلق کے جذبات رکھتے تھے، اور اس عمل میں بھی اپنے رب کی رضا اور اس کا وصل پاتے تھے، ان کے نزدیک اللہ دل میں بستا ہے، اسے جنگلوں، ویرانوں میں ڈھونڈنے کی ضرورت نہیں، وہ ترکِ دنیا سے مراد دنیاوی چیزوں اور گناہ گارانہ طرزِ حیات سے پرہیز لیتے ہیں، ان کے نزدیک سکون پانے کے لئے دل کو پاک کرنا چاہیے، نفس کی پاکیزگی اللہ کے وصل کا باعث بنتی ہے اور پھر ساری دنیا اس انسان کے قدموں میں ہوتی ہے۔(۵۹)

بابا فرید علیہ الرحمۃ اپنے کلام میں اخلاقی اقدار کی تعلیم دیتے ہوئے صبر، برداشت، تحمل اور عفو و درگذر کی بھی تلقین کرتے ہیں۔ ایک جگہ روکھی سوکھی روٹی کھانے اور ٹھنڈا پانی پینے کا کہتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ دوسروں کی چپڑی ہوئی روٹی دیکھ کر نہ للچاؤ، اس طرح قناعت کا درس دیتے ہیں۔(۶۰)

گویا آپ کے کلام میں خالص قرآنی تعلیمات اور اسلامی طرزِ حیات کا رنگ جھلکتا ہے، اور آپ کا کلام آپ کی عملی زندگی کا نمونہ ہے۔(۶۱)

خواجہ غلام فرید علیہ الرحمۃ کے کلام کو تین حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

۱. پہلا حصہ جسے "یقین اور ہدایت" کی نظمیں کہا جا سکتا ہے، اس میں ان خیالات کا واضح براہِ راست اظہار ملتا ہے جنہوں نے خواجہ غلام فرید علیہ الرحمۃ کو ابھارا۔ اس فیضان کا مرکز ان کی وحدت الوجود کے صوفیانہ عقیدے سے وابستگی موجود ہے، جس کے مطابق سچ یہ ہے کہ "خدا سے کوئی چیز جدا نہیں"، اور یہ کیفیت انسان اپنے اندر جھانک کر ہی سمجھ سکتا ہے۔ بہت سی نظموں کے ترجمے یقینا مجازی یا تمثیلی ہیں، کیونکہ کسی بھی زبان کے عظیم شاعر کی طرح ان نظموں کی بنیاد بھی ابہام کی بازگشت ہے، جو اظہار میں عمدگی پیدا کرتی ہے۔

۲. درمیانے حصہ میں جو "محبت و نامرادی" کی نظمیں ہیں، جن میں پہلے حصہ والا تاثر کس طرح اپنا جذباتی عکس، شاعر کے تجربات میں پاتا ہے۔ کافی کی مقامی روایت کے مطابق وہ ایک نوجوان لڑکی کی زبان میں بات کرتے ہیں، جسے اس کے محبوب نے چھوڑ دیا ہے اور جو آس و یاس کی مختلف کیفیات سے دوچار ہے، اپنی گم گشتہ مسرتوں کے تصور میں بھی محو رہتی ہے اور اپنی موجودہ محرومی پر بھی آنسو بہاتی ہے اور اپنے محبوب سے دوبارہ ملنے کے منصوبے بناتی ہے۔

۳. تیسرا حصہ جس کا نام "صحرا اور بارشوں کے گیت" ہے، یہ ان نظموں سے شروع ہوتا ہے، جو تپتے ہوئے صحرا کی ان اذیتوں کو بیان کرتی ہیں، جو سسی نے برداشت کئے، جو وہاں کی مشہور ترین مقامی ہیروئنوں میں سے ایک ہے۔ پھر برسات کا موسم شروع ہوتے ہی نئے اگے ہوئے پودوں کے ساتھ صحرا کا دلفریب منظر شاعر کے دل میں جذبات مسرت پیدا کر دیتا، جن کا اظہار خوبصورت نظموں کی شکل میں ہمارے سامنے آتا ہے۔ یہ تخلیقی قوت آخری نظموں تک جاری رہتی ہے، جو خاص طور پر حرم "مائی ہوتاں" کی رومانی شخصیت سے منسلک ہے۔(۶۲)

صنفِ کافی اپنی ہیئت میں مزاج کی وحدت پر زور دینے کے ساتھ یورپی شاعری کی چھوٹی کلاسیکی شکلوں اور (مسلم آرٹ و شاعری کے بڑے ہتھیار) غزل کے درمیان مثالی طور پر قدرے درمیانی صورت ہے۔ لفظوں کی طوالت پر انحصار کرتے ہوئے اور عربی سے فارسی کے ذریعے حاصل کرتے ہوئے بنیادی طور پر چار تاکیدی بول ہوتے ہیں، اس کے ساتھ "ایک اور تین" ہوتے ہیں۔ ایسا انگریزی میں پہلے لفظ سے دوسرے لفظ تک، لفظ بدلنے کے ساتھ، بہت اچھے طریقے سے ہوتا ہے، مثال کے طور پر:

راتیں کرن شکار دلیں دے
ڈینہاں ولوڑن مٹیاں(۶۳)

انگریزی میں اتار چڑھاؤ اور وزن بالکل اسی طرح سے ہے:

"رات کو وہ عاشقوں کے دلوں کا شکار کرتی ہیں دن کو وہ برتن بلوتی ہیں۔"

By night they hunt for lovers hearts,
They churn their pots by day.(64)

خاتمہ

اس مقالے میں درج ذیل نتائج سامنے آئے ہیں:

۱. دونوں کا نام فرید ہے، بلکہ خواجہ غلام فرید علیہ الرحمۃ کا نام بابا فرید الدین گنجِ شکر علیہ الرحمۃ کے نام پر رکھا گیا تھا۔

۲. دونوں کا نسب نامہ خلیفہء دوم جنابِ عمر فاروق رضی اللہ تعالی عنہ تک پہنچتا ہے۔ بابا فرید علیہ الرحمۃ کے آباؤ و اجداد کابل سے یہاں منتقل ہوئے تھے، جب کہ خواجہ غلام فرید علیہ الرحمۃ کے بزرگان خطہ عرب سے سندھ تشریف لائے تھے۔

۳. دونوں شعراء کی سب سے بڑی قدرِ مشترک یہ ہے کہ دونوں نے شاعری کو اپنے صوفیانے عقیدے کے لئے استعمال کیا، جہاں برصغیر پاک وہند میں بابا فرید علیہ الرحمۃ کو سلسلہ چشتیہ کا پہلا صوفی شاعر اور خواجہ غلام فرید علیہ الرحمۃ کو اس سلسلے کا آخری شاعر تسلیم کیا گیا ہے۔

۴. سلسلہ چشتیہ کے مقتدر مشائخ کی طرح دونوں نے اپنی زندگیوں میں بادشاہانِ وقت کو اپنی خانقاہوں سے دور رکھا اور ان کی مراعات وانعامات کو ہمیشہ ٹھکرایا، ان کی دعوتوں کو نظر انداز کیا، ان کی ملاقاتوں سے اجتناب کیا، ان کی قربتوں کو روح کی موت قرار دیا۔ اور ساتھ ساتھ ہر دو شخصیات نے دلوں پر حکمرانی، اکڑی ہوئی گردنوں کو جھکانے، بگڑی ہوئی عادات کو سنوارنے، گم گشتہ راہ کو منزلِ مقصود کی راہنمائی کرنے، شیطان کے مکروفریب میں جکڑے ہوئے لوگوں کی راہنمائی کرنے میں اپنے مشائخِ چشتیہ کی طرح اپنا معمول بنائے رکھا۔

۵. اسی طرح دونوں بزرگوں کو اپنے مشائخ چشتیہ کی طرح مناظرِ فطرت سے لگاؤ ہونے کی وجہ سے سیر وسیاحت کا بہت شوق تھا۔ اسی کی وجہ سے دونوں نے سفر بھی بہت کئے اور مختلف علاقوں کی خصوصیات کا بھی مطالعہ کیا۔ ان سفروں کے دوران دونوں نے بے شمار اصحابِ علم و فضل ملاقاتیں کر کے استفادہ بھی کیا۔

۶. دونوں ہستیاں صحیح معنوں میں صاحبانِ شریعت وطریقت تھے، دونوں نے جملہ ظاہری علوم پر عبور حاصل کیا اور ساتھ ساتھ روحانی منزلیں بھی طے کرتے رہے اور دونوں نے دونوں حوالے سے عملی نمونہ پیش کیا۔ دونوں ظاہری و باطنی علوم کے بحر بیکراں تھے اور دونوں ہی علم وفضل میں فرید دہر اور وحید عصر کہلائے۔

۷۔ دونوں کثیر الالسنہ شعراء ہیں، جہاں بابا فرید علیہ الرحمۃ پنجاب کے سلسلہ چشتیہ کے امامِ اول ہونے کے ساتھ ساتھ برصغیر پاک و ہند کی صوفیانہ اور عارفانہ شاعری کے بھی امامِ اول تھے، جنہوں نے شاعری کو بھی اپنی تعلیمات کا ذریعہ بنایا، اور ان کے دوہے بے شمار ناخواندہ لوگوں کو یاد ہوئے، وہاں خواجہ غلام فرید علیہ الرحمۃ کے سلسلہ چشتیہ کے آخری شاعر ہونے کے ساتھ ان کی شاعری بھی ہر کہ ومہ کی زبان پر جاری ہوئی اور کئی زبانوں میں اشعار کہے۔

۸۔ دونوں کی شاعری میں صوفیانہ عقائد ہیں۔ ان کے مخاطب عموماً عوام الناس تھے، اس لئے عام فہم زبان میں تصوف کے لطیف اور باریک تصورات بیان کئے گئے ہیں، انہوں نے دیہاتی روزمرہ زندگی سے استعارے اور تشبیہات لئے، ان کے اشعار میں سماجی علامتوں اور پنجاب کے دیہاتی ماحول اور ارد گرد کی اشیاء کا حوالہ ملتا ہے۔ وہ صاحبانِ شریعت و طریقت تھے۔ ان کی شاعری میں شریعت و طریقت دونوں پہلو پائے جاتے ہیں، نماز روزہ کی تلقین کے ساتھ عشقِ الٰہی، وصل الی اللہ اور دنیا کی عدمِ ثباتی کا تذکرہ بار بار کرتے ہیں، وہ خدمتِ خلق کے جذبات رکھتے تھے، اور اس عمل میں بھی اپنے رب کی رضا اور اس کا وصل پاتے تھے، ان کے نزدیک اللہ دل میں بستا ہے، اسے جنگلوں، ویرانوں میں ڈھونڈنے کی ضرورت نہیں، وہ ترکِ دنیا سے مراد دنیاوی چیزوں اور گناہ گارانہ طرزِ حیات سے پرہیز لیتے ہیں، ان کے نزدیک سکون پانے کے لئے دل کو پاک کرنا چاہیے، نفس کی پاکیزگی اللہ کے وصل کا باعث بنتی ہے اور پھر ساری دنیا اس انسان کے قدموں میں ہوتی ہے۔ وہ اپنے کلام میں اخلاقی اقدار کی تعلیم دیتے ہوئے صبر، برداشت، تحمل اور عفو و درگذر کی بھی تلقین کرتے ہیں۔

حوالہ جات وحواشی

۱ - سید نصیر احمد جامعی: حضرت بابا فرید گنج شکر، سن اشاعت و مطبع ندارد، ص ۳-۴

۲ - اردو دائرہ معارفِ اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی، لاہور، ۱۹۷۵ء، ج ۱۵، ص ۳۳۵، شہاب دہلوی، مسعود حسن: خواجہ غلام فرید (حیات و شاعری)، اردو اکیڈیمی، بہاولپور، ص ۳۷

۳ - شہاب دہلوی، خواجہ فرید (حیات و شاعری)، ص ۷۴۔ خواجہ طاہر محمود کوریجہ: خواجہ فرید اور ان کا خاندان، الفیصل ناشران و تاجران کتب اردو بازار لاہور، ص ۲۵۶

۴ - احمد بن حنبل: مسند احمد بن حنبل، حدیث نمبر: ۲۱۱۸۴، ابو داوٗد سجستانی: سنن ابو داوٗد، حدیث نمبر: ۴۹۴۸

۵ - اللہ دیا چشتی: سیر الاقطاب (فارسی)، ترجمہ: پروفیسر محمد معین الدین دردائی، طبع دوم، نومبر ۱۹۷۹ء ص ۱۶۳

۶- خلیق احمد نظامی: احوال و آثار شیخ فرید الدین مسعود گنج شکر (ترجمہ دی لائف اینڈ ٹائمز آف شیخ فرید الدین گنج شکر)، ترجمہ قاضی محمد حفیظ اللہ، مکتبہ جدید پریس، لاہور، ۱۹۸۳ء

۷ - اردو دائرہ معارفِ اسلامیہ، ج ۱۵، ص ۳۳۵

۸ - خواجہ طاہر محمود کوریجہ: خواجہ فرید اور ان کا خاندان، ص ۳۹

۹ - لفظ "چشتیہ" چشت شہر کی طرف منسوب ہے، جو خراسان (افغانستان) میں واقع ہے، حضرت خواجہ ابو اسحاق شامی چشتیوں کے مبدا اور نقطہ ء آغاز ہیں۔ دیکھئے: اللہ دیا چشتی: سیر الاقطاب (فارسی)، ترجمہ: پروفیسر محمد معین الدین دردائی، طبع دوم، نومبر ۱۹۷۹ء، ص ۸۴

۱۰ - سید نصیر احمد جامعی: حضرت بابا گنج شکر، ص ۹

۱۱ - اردو دائرہ معارفِ اسلامیہ، ج ۱۵، ص ۳۳۵، نور احمد فریدی: دیوانِ فرید: (مقدمہ)، قصر الادب رائٹرز کالونی، ملتان، ص ۲۴۔، میاں محمد دین کلیم علیہ الرحمۃ: چشتی خانقاہیں اور سربراہانِ برصغیر، مکتبہ نبویہ گنج بخش روڈ، لاہور، سالِ طباعت ۱۹۹۰ء، ص ۱۵۶

۱۲ - میاں محمد دین کلیم علیہ الرحمۃ: چشتی خانقاہیں اور سربراہانِ برصغیر، ص ۵۱

۱۳ - ایضا: ۵۱

۱۴ - ایضا: ۱۵۵

۱۵ - خواجہ طاہر محمود کوریجہ: خواجہ فرید اور ان کا خاندان، ص ۲۹۵

۱۶ - ایضا:ص۲۹۵-۲۹۸

۱۷ - میاں محمد دین کلیم علیہ الرحمۃ: چشتی خانقاہیں سربراہانِ برصغیر، ص ۵۲،-سید نصیر احمد جامعی: حضرت بابا فرید گنج شکر علیہ الرحمۃ، ص۱۹-۲۰

۱۸ - سید نصیر احمد جامعی: حضرت بابا فرید گنج شکر علیہ الرحمۃ، ص۲۰-۲۱-۲۲

۱۹ - خواجہ طاہر محمود کوریجہ: خواجہ فرید اور ان کا خاندان، ص۳۰۹-۳۱۰

۲۰ - ایضا:ص۳۱۰

۲۱ - ایضا:ص۳۱۰

۲۲ - ایضا:۳۱۰-۳۱۱

۲۳ - محمد انور فیروز بہاولپوری، ابوسعید: گوہر شب چراغ، سرائیکی ادبی مجلس بہاولپور، طبع سوم، ۱۹۹۹ء، ص۴۴-۴۵

۲۴ - خواجہ طاہر محمود کوریجہ: خواجہ فرید اور ان کا خاندان، ص۳۱۱

۲۵ - دیوان فرید، (مرتب جاوید چانڈیو)، سرائیکی ادبی مجلس بہاولپور، ۱۹۹۹ء، ص۱۳۳

۲۶ - دیوان فرید، (مرتب جاوید چانڈیو)، ص۱۱۸

۲۷ - دیوان فرید، (مرتب جاوید چانڈیو)، ص۱۷۸

۲۸ - دیوان فرید، (مرتب جاوید چانڈیو)، ص۱۷۷

۲۹ - میر خورد، محمد بن مبارک کرمانی: سیَر الاولیاء (فارسی)، چرنجی لال ایڈیشن، مرکزِ تحقیقات فارسی و ایران پاکستان، اسلام آباد، ۱۹۷۸ء، ص۱۱۱

۳۰ - ایضا، ص۹۵

۳۱ - ایضا، ص۷۵

۳۲ - ایضا، ص۱۱۱

۳۳ - ایضا، ص۱۱۱

۳۴ - حامد بن فضل اللہ اجمالی: سیر العارفین، (اردو)، ترجمہ محمد ایوب قادری، مرکز اردو بورڈ لاہور، اپریل ۱۹۷۶ء، ص۳۴

۳۵ - میر خورد کرمانی: سیَر الاولیاء (فارسی)، ص۷۵

۳۶ - ایضا، ص۹۵

۳۷ - خواجہ طاہر محمود کوریجہ: خواجہ فرید اور ان کا خاندان، ص۲۷۵

۳۸ - شہاب دہلوی: خواجہ فرید (حیات و شاعری)، ص ۶۱، ۵۵، ۵۲۔ خواجہ طاہر محمود کوریجہ: خواجہ فرید اور ان کا خاندان، ص ۳۲۰

۳۹ - خواجہ طاہر محمود کوریجہ: خواجہ فرید اور ان کا خاندان، ص ۲۵۴

۴۰ - مولوی الہ بخش بلوچی: خاتم سلیمانی (حالات و ملفوظات خواجہ سلیمان تونسوی)، خادم التعلیم اسٹیم پریس لاہور، ۱۳۲۵ھ، ص ۱۶۳

۴۱ - خلیق احمد نظامی: تاریخ مشائخ چشت، مشتاق بک کارنر، الکریم مارکیٹ، اردو بازار لاہور، ص ۵۶۶

۴۲ - اظہر، ظہو احمد (ڈاکٹر): معارفِ فریدیہ، (دیوان بابا فرید علیہ الرحمۃ)، (بین الاقوامی ایڈیشن)، مرکز معارفِ اولیاء، طبع اول، جون ۲۰۰۵ء، لاہور، ص ۲۱

۴۳ - ایضاً: ص ۲۴-۲۵-۲۶

۴۴ - میر خورد کرمانی: سیر الاولیاء، ص ۱۲۷-۱۲۹

۴۵ - سید مسلم نظامی دہلوی: انوار الفرید، طبع ہفتم، لاہور، ص ۳۹۵۔ اس کے علاوہ ڈاکٹر ظہور احمد اظہر کی کتاب "معارفِ فریدیہ" میں کافی فارسی اشعار مذکور ہیں۔

۴۶ - میر خورد کرمانی: سیر الاولیاء، ص ۴۷

۴۷ - اظہر، ظہور احمد (ڈاکٹر): معارفِ فریدیہ، ص ۲۸

۴۸ - میر خورد کرمانی: سیر الاولیاء، ص ۱۹۴-۲۰۴

۴۹ - عفت سلطانہ: سلسلہ چشتیہ میں بابا فرید الدین گنج شکر کا مقام، پی ایچ مقالہ برائے اسلامیات، نمل، (۲۰۰۸ء)، ص ۲۶۸-۲۷۵

۵۰ - شہاب دہلوی: خواجہ فرید (حیات و شاعری)، ص ۲۳۸

۵۱ - مجلہ زبیر (دیوان فرید نمبر)، ۱۹۹۵ء، اردو اکیڈیمی بہاولپور، ص ۵

۵۲ - اس حوالے سے راقم الحروف کا مقالہ دیکھئے: محمد اقبال: أثر الثقافة العربية في شعر خواجہ غلام فرید"، مقالہ برائے ایم فل عربی، (۲۰۰۰ء)، کلیہ عربی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد

۵۳ - دیوان فرید (شارح مولوی نور احمد فریدی)، مقدمہ دیوان فرید، ص ۵۶

۵۴ - مجلہ تحقیق، جلد ۱۹، شمارہ مسلسل ۶۳، ۱۹۹۸ء، کلیہ علومِ اسلامیہ و شرقیہ، پنجاب یونیورسٹی، لاہور پاکستان، ص ۸۳

۵۵ - خواجہ طاہر محمود کوریجہ: خواجہ فرید اور ان کا خاندان، ص ۲۴۱-۲۴۲ اور ۳۳۲

۵۶ - دیوان فرید، (ترجمہ دبیر الملک مولانا عزیز الرحمن)، اردو اکیڈیمی بہاولپور، ص ۳۴۶

۵۷ - خواجہ طاہر محمود کوریجہ: خواجہ فرید اور ان کا خاندان، ص ۲۴۲
۵۸ - شریف کنجاہی: کہے فرید، لوک ورثہ اشاعت گھر، اسلام آباد، دسمبر ۱۹۸۶ء، ص ۹
۵۹ - عفت سلطانہ: سلسہ چشتیہ میں بابا فرید الدین گنجِ شکر کا مقام، ص ۳۰۳
۶۰ - ایضا، ص ۳۰۷
۶۱ - گربچن سنگھ طالب (پروفیسر)، بابا شیخ فرید، ترجمہ عتیق صدیقی، نیشنل بک ٹرسٹ دہلی، انڈیا، ص ۹۳
۶۲ - ایضا: ص ۲۴۲-۲۴۴
۶۳ - دیوان فرید، (مرتب جاوید چانڈیو)، ص ۱۶۷
۶۴ - گربچن سنگھ طالب (پروفیسر)، بابا شیخ فرید: ص ۲۴۵